سورۃ الشّمس

ایاتھا ۱۵ ۹۱ سورۃ الشمس مکیۃ ۲۶ رکوعھا ۱

اس کے مکی ہونے میں اتفاق ہے۔ یہ پندرہ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰىہَا ۪ۙ﴿۱﴾

”قسم ہے آفتاب کی اور دھوپ کی“۔

مجاہد نے کہا: وَ ضُحٰىہَا سے مراد اس کی روشنی اور اس کا چمکنا ہے۔ یہ دوسری قسم ہے۔ ضحی کو شمس کی طرف مضاف کیا کیونکہ یہ سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی واقع ہوتی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کی رونق۔ سدی نے کہا: اس کی گرمی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وَ ضُحٰىہَا کا معنی ہے اس میں روشنی روک دی اسے گرم بنا دیا۔ یزیدی نے کہا: اس سے مراد اس کا پھیلنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوقات میں سے جو چیزیں ظاہر و عیاں ہوتی ہیں تو قسم سورج اور زمین کی تمام مخلوقات کی ہوگی؛ یہ ماوردی نے کہا(1): ضحا مونث ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ارتفعت الضحی، ضَحًا، ضحوۃ سے اوپر ہوتا ہے کبھی اسے مذکر ذکر کیا جاتا ہے۔ جس نے اسے مونث قرار دیا ہے وہ اسے ضحوۃ کی جمع قرار دیتا ہے جس نے اسے مذکر گردانا ہے وہ اسے فعل کے وزن پر اسم قرار دیتا ہے جس طرح صُرَد اور نُغَر ہے یہ ظرف ہے جس طرح سَحَر، تو کہتا ہے: لقیتہ ضُحًا وضَحًا جب تو اس کے ساتھ اپنے دن کی ضحا مراد لے گا تو تو اسے تنوین نہیں دے گا۔ فراء نے کہا: ضحا سے مراد دن ہے جس طرح قتادہ کا قول ہے عربوں کے ہاں جو چیز معروف ہے کہ ضحا اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج طلوع ہوا اور اس سے تھوڑا بعد کا وقت۔ جب دن اس سے زیادہ بلند ہو جائے تو اسے ضحاء کہتے ہیں جس نے الضحا کو پورا دن قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی سارا دن رہتی ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی گرمی ہے تو سورج کا نور، سورج کی گرمی کے ساتھ ہی ہوتا ہے جس نے ضحی سے مراد سورج کی گرمی لی ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے وَ لَا تَضۡحٰی ﴿۱۱۹﴾ (طٰہٰ) یعنی گرمی تجھے تکلیف نہ دے۔ مبرد نے کہا: ضحا اصل میں ضح ہے اس سے مراد سورج کا نور ہے الف دوسری حاء سے بدلا ہوا ہے، تو کہتا ہے: ضحوۃ، ضحوات علماء نے کہا: ضحوۃ میں واؤ حاء سے بدلی ہوئی ہے ضحا میں الف واؤ سے بدلا ہوا ہے۔ ابوہیثم نے کہا: ضح سایہ کی نقیض ہے یہ روئے زمین پر سورج کا نور ہے اس کی اصل ضحا ہے عربوں نے حاء کے سکون کے ساتھ یاء کو ثقیل جانا اور اسے الف سے بدل دیا۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 281

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝

''اور قسم ہے ماہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے''۔

یعنی وہ سورج کے پیچھے آئے یہ اس وجہ سے ہوتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو چاند دکھائی دیتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تلوت فلانا جب تو اس کی پیروی کرے۔ قتادہ نے کہا: یہ ہلال کی رات منظر ہوتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو چاند دکھائی دیتا ہے۔ ابن زید نے کہا: جب مہینے کے نصف میں سورج غروب ہوتا ہے تو چاند طلوع کر کے اس کا پیچھا کرتا ہے اور مہینے کے آخر میں اس کے غروب کے پیچھے ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: تَلٰىهَا کا معنی ہے اس سے حصہ لیتا ہے یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ چاند سورج کی روشنی اخذ کرتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا کا معنی ہے جب وہ پورا ہو جائے تو چاند روشنی اور نور میں سورج کی مثل ہو جاتا ہے: یہ زجاج کا قول ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝

''اور قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے''۔

یعنی اس سے پردہ ہٹا دے۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے: جب وہ تاریکی کو دور کر دے اگر چہ ظلمت کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح تو کہتا ہے: أضحت غدا اتنا باردۃ اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ ہمارا کھانا ٹھنڈا ہو گیا؛ یہ فراء، کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ جَلّٰىهَا میں ضمیر سورج کے لیے ہے معنی اس کا یہ ہوگا اس کی روشنی سے اس کا جسم عیاں ہو جاتا ہے؛ اس معنی میں قیس بن خطیم کا قول ہے:

تَجَلَّتْ لنا كالشمسِ تحتَ غمامةٍ بدا حاجبٌ منها و ضَنَّت بحاجبِ

وہ ہمارے لیے یوں ظاہر ہوئی جس طرح سورج بادل سے ظاہر ہوتا ہے اس کا ایک آبرو ظاہر ہوا اور ایک چھپا ہوا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین میں جتنے بھی حیوانات تھے سب کو ظاہر کر دیا یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو گئے کیونکہ رات کے وقت وہ چیزیں چھپ جاتی ہیں اور دن کے وقت وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین کو روشن کر دے اگر چہ ان کا پہلے ذکر نہیں ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص)

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝

''اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے''۔

یعنی سورج کو ڈھانپ لے یعنی جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس کی روشنی کو رات ختم کر دیتی ہے؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تاریکیوں کے ساتھ دنیا کو ڈھانپ لیتی ہے تو آفاق تاریک ہو جاتے ہیں ضمیر ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو پہلے مذکور نہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝

''اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی''۔

قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی جس طرح فرمایا: بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ (یاسین: 27) میرے رب کے بخشنے کے ساتھ؛ یہ قتادہ کا قول ہے؛ مبرد نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے قسم ہے اس کی جس نے اس کو بنایا؛ یہ حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے یہی طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی جس نے اسے پیدا کیا اور اسے بلند کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اہل حجاز سے یہ منقول ہے کہ سبحان ما سبحتك لہ کا معنی ہے پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر چیز۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۶﴾

''اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی''۔

قسم ہے زمین کی اور اس کے ہموار کرنے کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مَا، من کے معنی میں ہے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے یعنی جس نے اس کو پھیلایا۔ عام مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس کا معنی وہی ہے جو دحاها کا ہے۔ حضرت حسن بصری، مجاہد اور دوسرے علماء کی رائے یہ ہے: طَحٰىهَا اور دحاها کا معنی ایک ہی ہے یعنی ہر جانب اسے پھیلا دیا۔ طحو کا معنی پھیلانا ہے طَحَا، طَحُوا اور طَحَى، يَطْحِي، طَحْيًا دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ طَحَيْتُ میں پہلو کے بل لیٹا؛ یہ ابو عمرو سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طحاها کا معنی ہے اسے تقسیم کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اسے پیدا کیا؛ شاعر نے کہا:

وما تَدْرِی جَذِيمة من طَحَاها		ولا مَنْ ساكِنُ العرش الرَّفِيعِ

جذیمہ نہیں جانتی کہ اسے کس نے پیدا کیا اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ عرش رفیع کا رہنے والا کون ہے۔

ماوردی نے کہا: اس بارے میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد نباتات، چشمے اور خزانے ہوں کیونکہ جو زمین پر پیدا کیے گئے ہیں یہ ان کی حیات کا سبب ہیں (1)۔ بعض عربوں کی قسموں میں یوں کہا جاتا ہے: لا والقمر الطاحی یعنی وہ چاند جو جھانکنے والا روشن اور بلند ہے۔ ابو عمرو نے کہا: طحا الرجلُ جب وہ زمین میں دور چلا جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما ادری أین طحا؟ میں نہیں جانتا وہ کہاں چلا گیا؟ یہ جملہ بولا جاتا ہے: طَحَابِهِ قَلْبُه یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہر چیز اسے بہالے جائے۔ علقمہ نے کہا:

طَحَابِكَ قَلْبٌ فی الحِسانِ طَروبُ		بُعَيْدُ الشَّبابِ عَصْرَ حانَ مَشِيبُ

شعر میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۷﴾

''اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی''۔

اس میں مَا مصدریہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا، من کے معنی میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ نفس کے بارے

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 273

میں دو قول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر نفس مراد ہے۔ سوی کا معنی تیار کرنا ہے۔ مجاہد نے کہا: سَوّٰىهَا کا معنی ہے اس کی خلقت کو درست کیا اور اسے معتدل بنایا۔ یہ تمام اسماء قسم کے طور پر مجرور ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم اٹھائی کیونکہ اس میں اس کی صنعت کے عجائب ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۙ﴿۸﴾

''پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو''۔

یعنی اسے پہچان کرا دی، ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے یعنی اسے فجور اور تقویٰ کے راستہ کی پہچان کرا دی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا: اسے طاعت اور معصیت کی پہچان کرا دی۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں سے کسی کے ساتھ بھلائی کی امید کرتا ہے تو اس کے دل میں بھلائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے اور جب اس کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو برائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ فراء نے کہا: فَاَلْهَمَهَا کا معنی ہے اسے خیر اور شر کے راستہ کی پہچان کرا دی جس طرح فرمایا: وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ (البلد) ہم نے اسے دونوں راستوں کی پہچان کرا دی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مومن متقی کو تقویٰ کا الہام کیا اور فاجر کو فجور کا الہام کیا۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس کے لیے فجور اور تقویٰ کو واضح کر دیا۔ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو یوں دعا کی اللّٰھم آتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا وزَكِّها أنت خيرُ من زَكّاها أنت وليُّها و مولاھا اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا ولی اور آقا ہے۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے پھر دعا کرتے: اللّٰھم آتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا أنت وليُّها و مولاھا و أنتَ خيرُ مَنْ زَكّاھا(1) اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما تو اس کا ولی اور اس کا آقا ہے اور تو اسے بہترین پاک کرنے والا ہے۔

صحیح مسلم میں ابوالاسود دؤلی سے مروی ہے کہ مجھے عمران بن حصین نے کہا: مجھے بتایئے جو لوگ آج عمل کر رہے ہیں اور تگ و دو کر رہے ہیں کیا یہ ایسی شئی ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے یا جو ان کا نبی ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہوئی ہے اس پر زمانہ آئندہ میں عمل کرنے والے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ یہ ایسی شئی ہے جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس نے کہا: کیا یہ ظلم نہیں۔ کہا: میں اس بات سے سخت خوفزدہ ہوا اور میں نے کہا: ہر شئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی بلکہ لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ انہوں نے مجھے کہا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے جو میں نے تجھ سے سوال کیا ہے اس سے میں نے کسی چیز کا سوال نہیں کیا تھا مگر اس چیز کا کہ تیرا امتحان لوں۔ مزینہ کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! بتایئے لوگ جو

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 284

آج عمل کرتے ہیں اور جس کے بارے میں تگ ودو کرتے ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تقدیر ان پر سبقت لے جا چکی ہے یا ان کا نبی جو ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے اس بارے میں وہ زمانہ آئندہ میں جمع کرنے والے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان میں نافذ ہو چکا ہے اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝''(1) فجور اور تقویٰ دونوں مصدر ہیں مفعول بہ کے قائم مقام ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

''یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔

یہ جواب قسم ہے اور لقد افلح کے معنی میں ہے۔ زجاج نے کہا: لام اس لیے حذف ہوا کیونکہ کلام طویل ہو چکی تھی پس اس کا طویل ہونا ہی اس کا عوض بن گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جواب محذوف ہے سورج کی قسم، اس کی قسم اور اس کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر ایسا عذاب مسلط کرے گا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جس طرح اس نے قوم ثمود پر عذاب کو مسلط کیا کیونکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ ایسی کلام ہے جو پہلی کلام کے تابع ہے کیونکہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ بطور استطراد مذکور ہے۔ یہ جواب قسم نہیں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر حذف کے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اس کا معنی یہ ہے تحقیق جس نے نفس کا تذکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اس کو دبا دیا وہ خائب و خاسر ہو گیا قسم ہے سورج اور اس کی روشنی کی۔

اَفْلَحَ کا معنی کامیاب ہونا مَنْ زَكّٰىهَا اللہ تعالیٰ نے طاعت کے ساتھ جس کے نفس کو پاک کیا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ یعنی وہ نفس خسارہ میں ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی وجہ سے دبا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نفس خائب و خاسر ہوا جس کو اس نے گمراہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اچھے اعمال کے ساتھ پاکیزہ کیا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو معاصی میں دبایا وہ خائب و خاسر ہو گیا؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء کی رائے ہے: زکاۃ کا اصل معنی بڑھنا اور زیادتی ہے اس معنی میں زکا الزرع ہے جس سے اس کی پیداوار بڑھ جائے اس معنی میں قاضی کا گواہ کا تزکیہ کرنا ہے کیونکہ قاضی اسے عادل قرار دے کر اور اچھے ذکر کے ساتھ اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ معنی مکمل گزر چکا ہے۔ نیکی کرنے والا اور نیکی کے اعمال کی طرف جلدی کرنے والا اپنے نفس کو بلند کیا کرتا تھا عربوں میں سے سخی لوگ ٹیلوں اور بلند مقامات پر فروکش ہوتے تھے تاکہ ضرورت مندوں کے لیے ان کا مکان مشتہر ہو اور وہ مسافروں کے لیے آگ روشن کیا کرتے تھے اور کمینے لوگ غاروں، اطراف اور زیریں علاقوں میں پڑاؤ ڈالتے تاکہ ضرورت مندوں سے ان کا مکان مخفی رہے کم مروت رکھنے والا، شخصیت کو چھپانے والا، معاصی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دَسّٰىهَا کا معنی ہے اس کو گمراہ کرنا۔ شاعر نے کہا:

1۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث 19936

وأنتَ الذِي دَسَّيتَ عَمرا فأصبحتْ حلائلُه من أرامِلَ ضُيّعا

تو وہ ہے جس نے عمر قبیلہ کو برباد کیا تو اس کی عورتیں بیوہ اور ضائع ہو گئیں۔

اہل لغت نے کہا: اصل دسس ہے جو تدسیس سے مشتق ہے اس کا معنی کسی شئی کو دوسری شئی میں چھپانا ہے اس کی سین یاء میں بدل دی گئی، جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: قصیت أظفاری اصل میں قصصت اظفاری تھا۔ اس کی مثل تقفض ہے اب تقفض پڑھتے ہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا کا معنی ہے اس نے اپنے نفس کو صالحین کی جماعت میں چھپایا جب کہ وہ ان میں سے نہ تھا تو وہ خائب و خاسر ہو گیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

''جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبروں کو) اپنی سرکشی کے باعث، جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کے باری سے۔ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا''۔

طغوی سے مراد طغیانی ہے اس کا معنی نافرمانی میں حد سے نکل جانا ہے؛ یہ مجاہد، قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طغوی سے مراد وہ عذاب ہے جس کی انہیں دھمکی دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو عذاب ان پر آیا تھا اس کا نام طغوی تھا، کیونکہ عذاب ان پر سرکش ہو گیا تھا۔ محمد بن کعب نے کہا: طغواها کا معنی ہے سب کے سب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے اس طریقہ پر اسے اس لیے لایا گیا ہے کیونکہ آیات کے سروں کے اعتبار سے یہ زیادہ موافق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل طغیاها ہے مگر جب فعلی اسمی ہو تو اس کی یاء کو واؤ سے بدل دیتے ہیں تاکہ اسم اور وصف کے درمیان فرق کیا جائے۔ عام قراءت طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

حضرت حسن بصری، جحدری اور حماد بن سلمہ نے اسے طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس طرح رُجعٰی، حُسنٰی ہے یہ مصادر میں ان دونوں کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں۔

جب اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے ان میں سے بدبخت ترین اٹھا اس کا نام قدار بن سالف تھا اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے کیا وہ ایک فرد تھا یا جماعت تھی؟ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اور اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اس کی کونچیں کاٹنے کے لیے ایک ایسا آدمی اٹھا جو عزیز، جابر اپنے خاندان میں طاقتور تھا جس طرح ابو زمعہ ہے''(1) اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 16222

ضحاک نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے بدبخت کون تھا؟'' میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا'' پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے کہ بعد والوں میں کون بدبخت ترین ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں: فرمایا: ''تجھے شہید کرنے والا'' (1)۔

رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں لفظ ناقۃ، تحذیر کے قاعدہ کے مطابق منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: الاسد الاسد، الصبی الصبی، الحذار الحذار۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے بچو۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے بچو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الاعراف) یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جس میں تمہارے لیے نشانی ہے اسے چھوڑے رکھو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ کہ تمہیں عذاب الیم اپنی گرفت میں لے لے۔

اس کی باری سے بھی بچو۔ سورۃ الشعراء میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ سورۃ اقتربت الساعۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے جب انہوں نے اونٹنی کا مطالبہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسے چٹان سے نکالا اور ان کے کنویں سے ایک دن کی باری ان کے لیے مختص فرما دی اور ایک دن کی باری اس اونٹنی کے لیے معین کر دی۔ یہ انداز ان کے لیے بڑا شاق گزرا۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اس بات میں تکذیب کی اگر تم نے اس کو زخمی کیا تو تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ بدبخت ترین انسان نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اس عمل کو ان سب کی طرف منسوب کیا کیونکہ تمام اس کے عمل سے راضی تھے۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ اس نے اس کی کونچیں نہ کاٹیں یہاں تک کہ ان کے چھوٹے، بڑے، مذکر اور مونث نے اس کی موافقت نہ کی۔ فراء نے کہا: دو آدمیوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ عرب کہتے ہیں: هذان افضل الناس، هذان خيرُ الناس، هذه المرأة أشقى الناس یعنی اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہی استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے تثنیہ کا ذکر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے گناہ یعنی کفر، تکذیب اور کونچیں کاٹنے کے باعث ان پر عذاب کو برابر کر دیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے ان کے رب نے ان کے گناہ کے باعث انہیں تباہ و برباد کر دیا (2)۔ فراء نے کہا: دمدم کا معنی ہے زلزلہ برپا کرنا۔ دمدمہ کی حقیقت یہ ہے عذاب کو کئی گنا کرنا اور اس کو بار بار لانا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دممت على الشئ میں نے اس پر بند کر دیا۔ دَمَّمَ عليه القبر اس پر قبر کو بند کر دیا۔ ناقة مدمومة ایسی اونٹنی جس پر چربی چڑھی ہوئی ہو جب تو نے بار بار بند کیا تو تو نے کہا: دمدمت۔ دمدمہ کا معنی ہے جڑ ختم کرتے ہوئے ہلاک کرنا، یہ مورج کا قول ہے۔ صحاح میں ہے: دمدمت الشئ جب تو اسے زمین کے ساتھ لٹکا دے۔ دمدم الله عليهم اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا: یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دمدمتُ على

1۔ مسند امام احمد، فضائل صحابہ، حدیث نمبر 953	2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 494

المیتَ التراب میں نے میت پر مٹی ڈال دی۔ دمدم علیھم انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں مٹی کے نیچے کر دیا۔ ان پر زمین کو برابر کر دیا۔ پہلی تعبیر کی صورت میں معنی ہوگا: ان پر دمدمہ اور ہلاکت کو برابر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صیحہ نے انہیں ہلاک کر دیا تھا وہ ان میں سے چھوٹے اور بڑے تک جا پہنچی۔ ابن انباری نے کہا: دمدم کا معنی ہے غضبناک ہوا۔ دمدمہ ایسی گفتگو کو کہتے ہیں جو انسان کو پریشان کرتی ہے۔ ایک لغوی نے کہا: دمدمہ کا معنی ادامہ ہے عرب کہتے ہیں: ناقۃ مدمومۃ یعنی موٹی اونٹنی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فسواھا میں ھاء ضمیر سے مراد عذاب کے نازل کرنے میں امت کو برابر کر دیا، ان کے چھوٹے، بڑے، پست، معزز، مذکر اور مونث سب اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت ابن زبیر نے اسے فَدَمْدَمَ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح ان دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے اُمْتُقِعَ لونہُ، اُنْتُقِعَ لونہُ۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿15﴾

”اور کوئی نہیں ڈر اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا“۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا جب کہ اسے یہ کوئی خوف نہیں تھا کہ کس کی جانب سے عذاب کا ردعمل پہنچے گا۔

حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے: عُقْبٰهَا میں جو ضمیر ہے فعلۃ (عمل) کی طرف لوٹ رہی ہے جس طرح اس جملہ میں ہے: من اغتَسَلَ یومَ الجمعۃ فَبِہَا ونِعمَتْ (1) جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اس نے بہت اچھا عمل کیا یہاں بھی ھاء ضمیر سے مراد فعلۃ اور خصلۃ ہے۔ ضحاک، سدی اور کلبی نے کہا: یہ ضمیر عاقر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ آدمی جس نے کونچیں کاٹ دی تھیں وہ اپنے کیے کے انجام سے نہ ڈرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اس کی تقدیر یہ بنے گی اذ انبعث أشقاھا ولا یخاف عقباھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی قوم کی ہلاکت کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ ہی یہ ڈر تھا کہ ان کے عذاب کا ضرر ان کی طرف عود کر آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو ہلاک کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی تھی۔

نافع اور ابن عامر نے فلا پڑھا ہے یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں کلام پہلے معنی کی طرف لوٹتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہلاکت سے نہیں ڈرتا جب کہ باقی قراء نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دوسرے معنی سے زیادہ مناسب ہے یعنی کافر اپنے کیے کے انجام سے نہیں ڈرتا۔ ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں نے کہا: امام مالک نے اپنے دادا کا مصحف نکالا ان کا خیال تھا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے لکھا تھا جب مصاحف لکھے گئے تھے ان میں وَلَا يَخَافُ تھا اہل مکہ اور عراقیوں کے مصاحف میں بھی واؤ کے ساتھ ولا یخاف ہے، ابو عبید اور ابو حاتم نے ان کے مصاحف کی بنا پر اس کو اختیار کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، حدیث نمبر 300، ضیاء القرآن پبلی کیشنز